برصغیر پاک و ہند میں مثنوی معنوی سے اعتناء

اختر راہی

بر صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی علمی اور فکری روایات کی تشکیل میں باستثناء جن کتابوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ان میں سے ایک مولانا جلال الدین رومی (۶۰۴ھ— ۶۷۲ھ) کی مثنوی معنوی بھی ہے ۔ مثنوی کو مولانا روم کی زندگی ہی میں قبول عام حاصل ہوگیا تھا اور اس کی شہرت ایشیائے کوچک سے نکل کر ایران اور وسط ایشیا تک پھیل گئی تھی ۔

برصغیر میں مثنوی کا فیضان کب پہنچا ؟ اگر مولانا شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) کی یہ رائے درست تسلیم کر لی جائے کہ پانی پت کے مشہور بزرگ شاہ بوعلی قلندر (م ۷۲۴ھ) مدت تک مولانا روم کی ہم نشینی سے مستفید ہوئے تھے(۱) تو مثنوی معنوی کا ساتویں صدی ہجری میں برصغیر میں آجانا یقینی ہے ۔ تاہم شاہ بو علی قلندر سے مطالعہ مثنوی کی کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی ۔ اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ موصوف پر جذب کا غلبہ تھا اور انہیں قلم و قرطاس سے بھی چنداں تعلق نہ تھا ۔ ان کی طرف جو ایک رسالہ منسوب ہے اس کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دھلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے لکھا ہے کہ :

''ظاہر آنست کہ از مخترعات عوام است،،(۲)

مثنوی معنوی سے دلچسپی کا واضح اظہار جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ میں ملتا ہے ۔ ابو الفضل (م ۱۰۱۱ھ) جب اکبر کے ساتھ میدان پکھلی سے گزر رہا تھا تو اپنے فارغ اوقات مثنوی مولانا روم کے مطالعہ میں صرف

کرنا چاهتا تها۔ اس مقصد کے لئے اس نے مثنوی کی تلاش و جستجو کی مگر اسے گرد و نواح میں مثنوی کا کوئی کامل نسخه نه مل سکا۔ اس لئے ناچار اسے ابوبکر شاشی کے انتخاب پر اکتفا کرنا پڑا۔ اس سے یه اندازه هوتا هے که برصغیر کے اهل علم دسویں صدی میں مثنوی کا مطالعه شروع کر چکے تھے اور مثنوی کے انتخاب ان کے زیر مطالعه رهتے تھے۔

اکبر کا زمانه اسیر فتح الله شیرازی (م۹۹۷ھ) اور دوسرے معقولات پسند علماء کے زیر اثر ایمان و یقین اور سوز و گداز سے بهت حد تک خالی رها۔ جهانگیر کی تخت نشینی سے صورت حال میں تبدیلی آئی اور معاشرے میں سکون و تسکین کی تلاش شروع هوئی۔ اس کے زمانه میں مثنوی علماء کی مجلسوں، صوفیاء کی خانقاهوں اور امراء کے محلوں میں یکساں طور پر پڑھی جانے لگی۔ اس دور میں شاه ابو المعالی لاهوری (م۱۰۲۳ھ) مثنوی کے ذوق آشنا تھے۔ انهوں نے مثنوی کے کچھ مشکل اشعار کی صوفیانه رنگ میں شرح لکھی جو انهوں نے شاهزاده دارا شکوه (م ۱۰۶۹ھ) کے حوالے کر دی تھی۔ دارا شکوه نے اسے اپنی تالیف سکینة الاولیاء (تالیف مابین ۱۰۵۲ھ — ۱۰۵۸ھ) میں محفوظ کر دیا۔ شاه ابو المعالی نے شرح کی تمهید میں لکھا هے :

''جب مجھے معلوم هوا که مثنوی مولوی معنوی کے بعض اشعار کی تشریح و تفصیل جو متقدمین نے کی وه اب نایاب و ناپید هے اور جو تشریح و تاویل متأخرین نے کی هے وه صوفیاء کی اصطلاح کے خلاف هے اس لئے ان اشعار کے دقیق نکتے تشریح کے باوجود سر بسته رهے۔ ان کی تشریح و توضیح کے لئے میں نے انتهائی کوشش کی،،(۳)

شاه ابو المعالی جیسے شاعر اور صوفی بزرگ کے ساتھ جهانگیر کے سسر خواجه جهاں کابلی کے بارے میں صاحب مآثر الامراء کی یه اطلاع بھی قابل

غور ہے کہ ''نماز فجر کے بعد مولانا روم کی مثنوی چار گھڑی تک اس کی مجلس میں پڑھی جاتی تھی اس کے بعد وہ کاموں میں مشغول ہوتا تھا،،(۴)

شاھجہان اور اورنگ‌زیب عالمگیر کا زمانہ مطالعہ مثنوی کے لئے موافق ترین دور تھا ۔ اس دور میں مثنوی کے مطالعہ میں اتنی شدت اور وسعت پیدا ہوئی کہ مثنوی کا مطالعہ عوائد رسمیہ میں شامل ہو گیا ۔ گیارھویں صدی ھجری میں مثنوی کی کئی شرحیں لکھی گئیں ۔ عبداللطیف (م ۱۰۴۸ھ) بن عبداللہ عباسی کی لطائف المعنوی، محمد رضا کی مکاشفات رضوی (تالیف : ۱۰۴۸ھ)، شرح محمد نور اللہ احراری (م ۱۰۷۳ھ) اور شرح شاہ عبدالفتاح (م ۱۰۹۰ھ) چند قابل ذکر شرحیں ھیں ۔

عبداللطیف بن عبداللہ عباسی عہد شاھجہانی کے بزرگ تھے ۔ انھوں نے عمر کا بڑا حصہ مثنوی کے مطالعہ و تجزیہ میں صرف کیا تھا ۔ مثنوی کے مشکل اشعار اور عربی عبارتوں کی تشریح میں ''لطائف المعنوی،، لکھی ۔ اس کے علاوہ مثنوی کے مشکل الفاظ کا فرھنگ ''لطائف اللغات،، کے نام سے تیار کیا تھا اور مثنوی کا ایک مستند نسخہ بھی تیار کیا تھا جس کا نام ''نسخہ ناسخہ مثنویات سقیمہ،، رکھا تھا ۔

فن انشا کی کتاب ''خلاصۃ المکاتیب،، (تالیف : ۱۱۰۰ھ) میں ایک باب ''دربیان خوانائیدن اطفال،، ہے جس میں مصنف نے پانچ فنون کی کتابوں کا ذکر کیا ہے ۔ اخلاق و آداب کی کتابوں کے سلسلہ میں رقمطراز ہے :

''و برای تزکیۂ نفس و تصفیۂ اخلاق، اخلاق ناصری، اخلاق جلالی، مکاتیب سید شاہ شرف الدین احمد یحیی منیری، نزھت الارواح، مثنوی مولانا روم، حدیقۂ ثنائی بمطالعہ در آورد،،(۵)

یعنی گیارھویں صدی میں مثنوی درسی کتاب کی حیثیت اختیار کر چکی تھی ۔ اورنگ زیب کے عہد میں مثنوی شناسی کی رو تیز تر ہوگئی۔ امراء نے بطور خاص دلچسپی لینا شروع کی۔ میر محمد اشرف (م ۱۰۹۷ھ) عالمگیر کے زمانے میں کشمیر کا صوبیدار تھا اور ہمت خاں میر بخشی کی وفات پر بخشئی اول مقرر ہوا تھا ۔ اس نے مثنوی کا ایک انتخاب تیار کیا تھا اور اس کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوتا تھا ۔(٦)

اورنگ زیب کا ایک رفیق خاص عاقل خاں رازی (م ۱۱۰۸ھ) تھا ۔ اس نے مثنوی کی تقلید میں ایک کتاب ''مرقع،، تیار کی اور مثنوی شناسی میں یگانہ روزگار خیال کیا جاتا تھا ۔ مثنوی کا شارح شکر اللہ خاں خاکسار (م۱۱۰۸ھ) اسی عاقل خاں رازی کا داماد تھا ۔

بارھویں صدی ھجری میں انگنت شرحیں، انتخاب اور فرھنگ تیار کئے گئے ۔ ان سب کا احاطہ مشکل ھے تاھم اس صدی میں محمد عابد کی المغنی (تالیف : ۱۱۰۰ھ)، عبداللہ حویشگی قصوری (م بعد ۱۱۰۶ھ) کی اسرار مثنوی و انوار معنوی (تالیف : ۱۱۰۲ھ)، شاہ محمد افضل الہ آبادی (م ۱۱۲۴ھ) کی حل مثنوی (تالیف : ۱۱۰۳ھ)، شکر اللہ خان (م ۱۱۰۸ھ) کی شرح مثنوی معنوی، خواجہ ایوب پارسا لاھوری کی شرح مثنوی (تالیف : ۱۱۲۰ھ) بہلول کول ابن مرزا خاں البرکی جالندھری کی شرح مثنوی (تالیف : ۱۱۲۹ھ) اور ولی محمد اکبر آبادی کی مخزن الاسرار (تالیف : ۱۱۴۰ھ تا ۱۱۴۹ھ) چند اھم شرحیں ھیں ۔ ان کے علاوہ علماء و ادباء کے تذکروں کی ورق گردانی سے ایسے بہت سے لوگوں کے نام ملتے ھیں جنھوں نے مثنوی پر حاشیے اور شرحیں لکھیں لیکن ان کی کاوشیں دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں ۔

اس دور میں شعراء نے مثنوی سے متأثر ہو کر طویل صوفیانہ مثنویاں

بھی لکھیں۔ اکمل الدین مرزا محمد کامل کشمیری (م ۱۱۲۹ھ) نے ساٹھ ہزار اشعار کی مثنوی ''بحرالعرفان،، تالیف کی۔(۷) محمد افضل سرخوش کے ہندو شاگرد سواسی بھوپت رائے بیراگی متخلص به بیغم (م ۱۱۳۲ھ) نے قصص فقرائے ہند تالیف کی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کی رائے کے مطابق اس مثنوی کی ترتیب خیالات کی نوعیت اور صوفیانہ مسائل کا منبع ''عرفان رومی،، ہے۔(۸) مثنوی معنوی کے اولین شعر کی مناسبت سے بیغم نے اپنی مثنوی کا آغاز یوں کیا۔ع

دل طپیدن ها حکایت می کند
چشم خونباران روایت می کند

ایک دوسرے ہندو شاعر لالہ امانت رائے (م ۱۱۴۰ھ) کی صوفیانہ مثنوی کا آغاز یوں ہوتا ہے ع

ای رفیقاں قصۂ نے بشنوید
نالۂ درد دل وے بشنوید

بارھویں صدی ہجری، برصغیر کے مسلمانوں کے انحطاط، طوائف الملوکی اور بیرونی حملہ آوروں کی وجہ سے افرا تفری کا زمانہ ہے۔ اس عرصہ میں علمی مجالس کی رونق ماند پڑگئی اور مطالعہ مثنوی کے سلسلہ میں کوئی بڑا نام سامنے نہیں آیا۔ تیرھویں صدی کے نصف اول میں ملا عبد العلی محمد بحرالعلوم (م ۱۲۲۵ھ) نے مثنوی کی مبسوط ترین شرح لکھی۔ موصوف ملا نظام الدین سہالوی مرتب درس نظامی کے فرزند ارجمند تھے۔ اپنے والد کی طرح فلسفہ و کلام اور منطق پر عبور رکھتے تھے اور تصوف و سلوک کے لذت آشنا تھے۔ انھوں نے اپنی بے نظیر شرح میں متقدمین کی متصوفانہ شرحوں کا عطر کشید کر لیا ہے۔ ان کی شرح معارف طریقت کا ایک گنجینہ ہے اور بطور پر متصوفانہ انداز کی شرحوں میں سر فہرست ہے۔

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

Accession number
38523
Date 28.12.79

مولانا بحرالعلوم کی شرح مثنوی کے بعد بدلے ہوئے حالات کے مطابق مثنوی کا مطالعہ مولانا شبلی نعمانی کی ''سوانح مولانا روم،، سے ہوا جو پہلی بار اگست ۱۹۰۶ء ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی۔

مولانا شبلی کے نقطہ نظر سے مثنوی صرف تصوف نہیں بلکہ عقائد اور علم کلام کی عمدہ ترین تصنیف ہے،،(۹) وہ متکلمین کی ''سینکڑوں ہزاروں،، کتابوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ''مسائل عقائد جس خوبی سے مثنوی میں ثابت کئے گئے ہیں (متکلمین کے) یہ تمام دفاتر اس کے سامنے ہیچ ہیں،،(۱۰) چنانچہ مولانا شبلی نے علم کلام کے مختلف مسائل مثلاً ذات باری، صفات باری، نبوت، وحی، معجزہ، روح، معاد، جبرو قدر، آخر میں فلسفہ اور سائینس کے بعض مسائل مثلاً تجاذب اجسام، تجاذب ذرات، تجدد امثال اور ارتقاء کے بارے میں مثنوی کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ مولانا شبلی نے مثنوی کو وحدت الوجودی تشریحات سے چھٹکارا دلایا۔ انھوں نے مثنوی کو امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کی تحریک تجدید و احیائے دین سے منسلک کیا ہے۔

''سوانح مولانا روم،، سے مولانا روم کی سوانح حیات اور مثنوی سے ربط و تعلق کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ از سر نو انتخاب تیار کئے جانے لگے، شرحیں لکھی گئیں اور مولانا روم کے مواعظ و ملفوظات کی ترتیب و تدوین شروع ہوئی(۱۱) قاضی تلمذ حسین مرحوم سابق ناظم دارالترجمہ حیدآباد نے مولانا روم کی حیات اور کلام پر بھر پور کام کیا۔ انھوں نے ''مرآۃ المثنوی،، کے نام سے مثنوی کا انتخاب کیا جس سے مثنوی کی حکایات میں تسلسل پیدا ہو گیا اور تفہیم مطالب میں سہولت پیدا ہو گئی۔ ان کی یہ تالیف صحت کتابت کے اعلی معیار کے ساتھ ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی۔ مثنوی کے مطالعہ و تجزیہ کے لئے ''نقد المثنوی،، کے نام سے ایک کتاب لکھی اور ''صاحب المثنوی،، مولانا

روم کی مبسوط ترین سوانح حیات ترتیب دی۔

مولانا شبلی کے کلاسی انداز مطالعہ کے باوجود قدیم متصوفانہ انداز بھی کسی حد تک چلا آرہا ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) مثنوی سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کے ہاں مثنوی کا باقاعدہ درس ہوتا تھا اور مثنوی کے صوفیانہ حقائق و معارف پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔ مثنوی سے ان کے شغف اور وارفتگی کا نتیجہ ''حاشیہ مثنوی،، کی صورت میں سامنے آیا۔ انہوں نے مثنوی کا ایک عمدہ نسخہ چھپوانا شروع کیا جس کے ساتھ ان کا حاشیہ طبع ہورہا تھا۔ ابھی دو دفتر ہی چھپے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ باقی دفاتر ان کے ایک مرید مولانا احمد حسن کی نگرانی میں طبع ہوئے۔ مولانا احمد حسن نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے حاشیہ کے ساتھ قدیم صوفیانہ شرحوں سے اخذ و اقتباس کرکے نسبۃً طویل حاشیہ ترتیب دیا۔ حاشیہ کی اہمیت کے ساتھ ساتھ، صحت کتابت کے لحاظ سے بھی یہ طباعت بہت اہم ہے۔

حاجی امداد اللہ جو علمائے دیوبند کے شیخ الشیوخ ہیں ان کے واسطے سے حلقۂ دیوبند میں مطالعہ مثنوی کا ذوق پیدا ہوا۔ ان کے ایک خلیفہ اور حلقۂ دیوبند کے سر آمد روزگار عالم مولانا اشرف علی تھانوی نے مثنوی کی شرح ''کلید مثنوی،، صوفیانہ ذوق کے مطابق ترتیب دی اور یہ انداز نظر موجودہ دور تک چلا آرہا ہے۔

حلقۂ دیوبند کے دو افراد نے مثنوی کا اختتامیہ یا دفتر ہفتم لکھ کر مثنوی دوستی کا ثبوت دیا۔ مثنوی کا دفتر ششم حکایت مکمل ہوئے بغیر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے مثنوی کا مطالعہ کرنے والے بہت عرصہ تک دفتر ہفتم کی تلاش میں رہے۔ مثنوی کے ایک شارح مولانا محمد اسماعیل قیصری نے کہیں سے دفتر ہفتم ڈھونڈ بھی نکالا مگر اہل نظر نے اسے مولانا روم کی

تصنیف تسلیم کرنے سے انکار کردیا چنانچہ، دفتر ہفتم لکھنے کی کوششیں کی گئیں۔ برصغیر میں شیخ محمد محدث تھانوی (م ۱۲۹۶ھ) نے ۱۲۷۶ھ میں اختتامیہ (دفتر ہفتم) لکھا جو ان کی وفات کے بعد ۱۳۰۷ھ میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔

دوسرا اختتامیہ مفتی الہی بخش کاندھلوی سے یاد گار ہے جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی فرمائش سے شائع ہوا۔

علامہ شبلی کے بعد مطالعہ مثنوی کا فکر انگیز انداز علامہ اقبال نے اختیار کیا۔ انھوں نے آخری زمانہ حیات میں مطالعہ کتب ترک کر دیا تھا اور اگر کچھ پڑھتے تھے تو صرف قرآن مجید اور مثنوی معنوی۔(۱۲) اقبال کی اکثر منظوم تصنیفات اور خطبات میں مثنوی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے اور جگہ جگہ مثنوی سے استشہاد کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا ہے کہ ع

پیر رُومی را رفیق راہ ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز (۱۳)

علامہ کے زیر اثر مولانا روم کے مطالعہ افکار کا ایک دبستان پیدا ہوا ہے جس کے ایک اہم رکن خلیفہ عبد الحکیم مرحوم تھے۔ خلیفہ صاحب کی ''حکمت رومی،، اور ''تشبیہات رومی،، میں اقبال کے نقطہ نظر سے مولانا روم کے افکار کی چھان بین کی گئی ہے اور مثنوی کے بہت سے عقدے وا ہوئے ہیں۔

مثنوی سے اعتناء کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ برصغیر کی مختلف زبانوں میں اس کے منظوم اور نثری ترجمے کئے گئے ہیں۔ بر صغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط سے فارسی کا چلن کم ہو گیا اور اردو کو نئے حکمرانوں کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ اردو کے علمی و ادبی سرمایہ میں بیش قیمت اضافہ

ہونے لگا ۔ فارسی کی دوسری اہم کتابوں کے ساتھ مثنوی کو بھی ترجمہ کا جامہ پہنایا جانے لگا۔ برصغیر کی زبانوں میں سب سے زیادہ تراجم اور شرحیں اردو ہی میں ملتی ہیں ۔ ۱۲۴۴ھ میں شاہ مستعان علی مدراسی نے مثنوی کے منتخب حصوں کا ترجمہ ''باغ ارم،، کے نام سے کیا جو ۱۲۶۹ھ میں پہلی بار مطبع کریمی بمبئی سے شائع ہوا ۔ اس کے بعد مثنوی کے جزوی ترجمے ہوتے رہے ۔ پہلا مکمل منظوم ترجمہ ۱۲۹۳ھ میں ریاست جاورہ کے ایک عالم مولانا محمد یوسف علی شاہ چشتی نظامی نے مثنوی کی بحر میں ''پیراھن یوسفی،، کے نام سے کیا جو کئی بار منشی نولکشور کے مطبع سے شائع ہوا ۔ ''پیراھن یوسفی،، کی تقلید میں چند اور ترجمے بھی ہوئے ۔ جن میں سیماب اکبر آبادی کا ''الہام منظوم،، (مطبوعہ : مابین ۱۳۴۷ھ تا ۱۳۵۰ھ) اور عبداللہ عسکری رئیس لدھیانہ کا منظوم ترجمہ قابل ذکر ہیں ۔

منظوم ترجموں میں پیرزادہ محمد حسین عارف مہمی کا نام نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ موصوف نے مثنوی کی منتخب حکایات کا ترجمہ ''عقد گوھر یعنی موتیوں کا ھار،، (مطبوعہ : ۱۳۲۰ھ) کے نام سے کیا جس پر دوسرے مشاھیر وقت کے ساتھ ''مرشد رومی،، کے ''مرید ھندی،، علامہ اقبال کی تقریظ چھپی ہے ۔ یہ تقریظ مولانا روم کے بارے میں علامہ کی پہلی تحریر ہے اور غالباً یہی وہ کتاب ہے جو مولانا روم سے علامہ اقبال کی دلچسپی کا سبب بنی ۔

منظوم ترجموں کے ساتھ نثری ترجمے اور شرحیں الگ ہیں ۔ ان میں عبد المجید خان کی بوستان معرفت (تالیف : ۱۹۰۰ء - ۱۳۱۷ھ)، عبدالرحمن راسخ دھلوی کی کتاب مرقوم (مطبوعہ : ۱۳۱۵ھ)، مولوی محمد ابراھیم کی کشف العلوم (مطبوعہ : ۱۳۲۰ھ)، مولانا اشرف علی تھانوی کی کلید مثنوی

(مطبوعہ : ۱۳۲۴ھ) اور محمد نذیر عرشی کی ''مفتاح العلوم،، بہت نمایاں ہیں ۔

پنجابی میں مثنوی کا منظوم ترجمہ چند شاعروں نے کیا ہے جن میں سے مولوی شاہ محمد دین قادری سیالکوٹی کا ترجمہ (تالیف : ۱۳۰۷ھ) چھپ چکا ہے ۔ اس سے بہت پہلے ایک ترجمہ شائع ہوا تھا جس کے ناشر نے مترجم کا نام ظاہر نہیں کیا ۔ درسی مقاصد کے لئے نثر میں دفتر اول کو چودھری محمد افضل خاں مرحوم نے پنجابی میں منتقل کیا ۔

سندھی میں غلام محمد شاھوائی نے مثنوی کا ترجمہ کیا لیکن کامل مثنوی کے ترجمے کی سعادت مولانا دین محمد ادیب فیروز شاھی (م ۱۳۹۳ھ) کے حصہ میں آئی ۔ ان کا ترجمہ ''اشرف العلوم،، شائع ہو چکا ہے ۔(۱۴)

کشمیری میں منتخب حصوں کا ترجمہ میر سید شمس‌الدین‌حیرت (م۱۳۸۸ھ) نے شروع کیا تھا ۔ ابتدائی دو دفتروں سے ترجمہ کر چکے تھے کہ پیغام اجل آگیا اور ان کا یہ کام ناتمام رہ گیا ۔(۱۵)

پشتو میں مثنوی کا مکمل ترجمہ تو نہیں ہوا البتہ پہلے دو دفاتر کے ترجمہ ''اسرار العلوم،، کا ایک قلمی نسخہ پشتو اکیڈمی پشاور کی لائبریری میں محفوظ ہے ۔ یہ ترجمہ ہنگو کے مولانا عبد الجبار بنگش کی کاوشوں کا نتیجہ ہے ۔ حال ہی میں عبدالاکبر خان اکبر کا منتخب حصوں کا نثری ترجمہ شائع ہوا ہے ۔ ان کے علاوہ رسائل و جرائد میں مثنوی کی کئی حکایات کا ترجمہ مختلف اوقات میں چھپا ہے ۔

حواشی

۱ ۔ سوانح مولانا روم، ص ۵۲ ۔
۲ ۔ اخبار الاخیار، ص ۱۲۹ ۔
۳ ۔ سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ)، ص ۲۶۱ ۔

۴ - ماثر الامراء، ج ۱، ص ۶۶۹ -

۵ - هندوستان کی قدیم اسلامی درسگاهیں، ص ۱۲۹ - ۱۳۰ -

۶ - ماثر الامراء، ج ۱، ص ۲۶۹ -

۷ - پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ، ص ۳۲۶ - ۳۲۷، بحر العرفان کا ایک قلمی نسخہ کتب‌خانہ تحقیق کشمیر سری نگر میں محفوظ ہے - ۱۳۸۱ھ میں اس کی ایک جلد شائع ہوئی ہے

۸ - فارسی ادبیات میں ہندوؤں کا حصہ، ص ۲۹۳ (ملخص) -

۹ - سوانح مولانا روم، ص ۱۳۲ -

۱۰ - ایضاً، ص ۱۳۲ -

۱۱ - مولانا روم کے ملفوظات کا مجموعہ ''فیہ ما فیہ،، پہلی بار مولانا عبدالماجد دریا بادی کی تصحیح و تقدیم سے ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا -

۱۲ - اقبالنامہ حصہ اول، ص ۲۷ - ۲۸، خط بنام محمد حسین عرشی مکتوبہ ۱۹/ مارچ ۱۹۳۵ء - ,,میں ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کر چکا ہوں اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو صرف قرآن یا مثنوی رومی،،

۱۳ - کلیات اقبال، ص ۳۸۷ -

۱۴ - فارسی گویان پاکستان، ۳۰۱ -

۱۵ - مجلہ آریانا - کابل (افغانستان) سال ۳۳، شمارہ ۲ -

—o—